سلسلہ مطبوعات (۵۴)

عزیمت

سیریز نمبر ۴

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

عزیمت

سیریز نمبر 4

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر مفتی
سعید الرحمٰن

مجلس ادارت
مولانا مفتی عبدالخالق آزاد
مولانا مفتی عبدالقدیر
مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی
مقصود الحسن چوہدری

پیش کش

اسلام میں انسانی بنیادی حقوق کا تصور — مولانا ناصر عبدالعزیز — 2
عبادات کا مفہوم اور اسکا مقصد — مولانا عبداللہ علوی — 11

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

اسلام میں انسانی بنیادی حقوق کا تصور

آج دنیا میں انسانی حقوق کی پکار بہت زور وشور سے سنائی دے رہی ہے۔ بالخصوص اپریل کے آخری اور مئی کے پہلے عشرہ میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اس موضوع پر ہر خاص وعام کی توجہ حاصل کرتا ہے جس میں مزدوروں کے دن (یکم مئی) کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ دن ۱۸۸۶ء میں شکاگو کے اندر مزدوروں پر ہونے والے ظلم کے خلاف احتجاج کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد یہ ہے کہ فلک بوس عمارتوں کو تعمیر کرنے، مشین پر محنت کے نتیجہ میں حیران کن ترقیات اور محیر العقول دیگر سائنسی اور فنی ایجادات کے پس پردہ محنت کش طبقہ کے کردار وعمل کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے یہی وہ دن ہے جس سے ہمیں نام نہاد مہذب یورپ میں خون پسینہ ایک کرنے والوں کو اپنے حقوق کے مطالبہ پر سولی دکھائے جانے کا پتہ چلتا ہے۔

اس موقع پر فلاحی تنظیمیں بالخصوص امریکہ اور اقوام متحدہ کے زیر سایہ سیاسی اور سماجی کردار ادا کرنے والی تنظیمیں کافی متحرک ہوتی ہیں کہیں سیمینار اور سیپوزیم کا انعقاد ہوتا ہے۔ تو کہیں امریکہ اور یورپ کے ناپسندیدہ ممالک میں (ان کے تئیں) مزدوروں پر ہونے والے مظالم کی من گھڑت کہانیاں عام کی جارہی ہوتی ہیں۔ سمعی اور بصری طریقوں سے قائم کی جانے والی اس مصنوعی فضاء کو دیکھ کر ایک عام شخص بالخصوص مذہب سے تعلق رکھنے والا فرد جب اس ماحول میں مذہبی نمائندوں کو تلاش کرتا ہے تو اسے عموماً مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اسے پاکستان کا مذہبی طبقہ اس موضوع سے لاتعلق بلکہ بیزار نظر آتا ہے۔

ایسے عالم میں مذہب سے سچی محبت رکھنے والا نوجوان سوچتا ہے کہ کیا مذہب واقعی

انسانیت دشمن ہے؟۔

کیا دین میں انسانیت سے محبت نام کی کوئی چیز موجود نہیں؟۔

کیا مذہب اور مذہبی نمائندہ انسانی حقوق کی حفاظت سے واقعی محروم ہے؟

کیا قرآن (جسکا موضوع ''انسان'' ہے) بھی ان بنیادی حقوق سے نا آشناء ہے؟

کیا اللہ جس نے اپنا تعارف ''رب العالمین'' (سارے جہاں کا پالنہار) کے پرشکوہ الفاظ سے کرایا نے بھی اپنے ماننے والوں کو انسانی حقوق کی ادائیگی کا کوئی سلیقہ نہیں سکھایا؟

کیا نبی رحمتؐ نے رحمۃ العالمین ہونے کے باوجود اس غم کا مداوا نہ کیا؟

یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات ہمارے نوجوانوں کے ذہن کو پریشان کرتے ہیں کالج اور یونیورسٹی کا نوجوان ان سوالوں کا تشفی بخش جواب نہ ملنے کی صورت میں عالم بیچارگی میں گمراہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

آیئے ان سوالوں کے جواب میں دیکھتے ہیں کہ قرآن انسانی حقوق کی کیا تفصیلات بیان کرتا ہے۔ فاران کی چوٹیوں پر چمکنے والا حق وصداقت کا سورج اپنی کونسی روشنیاں بکھیر رہا ہے اور عرب کے سنگ ریزوں پر چلنے والے نوجوان کے ذہن میں عرب وعجم کا دلارا، کیا ذہن منتقل کر رہا ہے تاریخ اسلام کیا شہادتیں پیش کر رہی ہے اور علمائے ربانین کیا فکر وعمل رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی بنیادی انسانی حقوق کا سچا علمبردار اور نمائندہ ہے۔ اسی نے انسانوں کو انسانیت سکھائی اور دین اسلام ہی نے انسانیت کو اس کے حقوق کا درست اور مکمل شعور دیا ہے۔ اس دعوے کی دلیل میں ہم قرآنی آیات اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

قرآن صوم وصلوۃ کی پابند ایسی مذہبی جماعت (جو یتیم، مسکین اور محتاج کے حقوق کا خیال نہیں رکھتی) کا انجام جہنم بتاتا ہے۔ ''سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں سے جو تم سے پہلے تھیں۔ ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا کہ منع کرتے رہتے ملک میں فساد پھیلانے سے، مگر تھوڑے

لوگ کہ جن کو ہم نے بچالیا ان میں سے'' (القرآن ۱۱:۱۱۵)

یعنی مذہبی جماعتیں فتنہ وفساد اور انسانی حقوق کی پامالی کرنے والوں کے خلاف مضبوط اور منظم آواز کیوں نہ اٹھاتی رہیں۔ اور ایسی اجتماعیت قائم کرنے کی کوشش کیوں نہ کرتی رہیں کہ جس سے ظلم ختم ہو اور انسانی حقوق قائم ہوں۔ یہ سورہ ہود کی وہ آیت ہے جسکے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس سورۃ نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ یعنی سرور کائنات اس آیت مبارکہ کی روشنی میں فساد فی الارض کے خاتمہ اور انسانی حقوق کے قیام کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے سماجی خدمات سرانجام دینے والے لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ کام کئی نوعیتوں کے لحاظ سے بہت مشکل ہے اس احساس کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ فکر مند تھے۔ ایک اور جگہ یہود و نصاریٰ کی غلط روش پر تنقید کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔ ''کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے۔ بہت ہی برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں (القرآن ۵:۶۳)

قرآنی ہدایات کی روشنی میں ہر وہ بات گناہ ہے جو کسی کا حق غصب کرنے کا سبب بنے اور حرام کھانے کی عادت تو انسانی حقوق کی پامالی پر واضح انداز سے دلالت کرتی ہے۔ قرآن کی اس آیت سے یہ بات نمایاں ہے کہ انسانی حقوق کی پامالی کا راستہ روکنے کی ذمہ داری مذہبی نمائندوں کی ہے۔

درجہ بالا آیات میں انسانی حقوق کے قیام کے حوالہ سے قرآن کا موقف اصولی انداز سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد آیات اس عنوان پر موجود ہیں۔ لیکن قرآن نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ قرآن ان انسانی حقوق کو ایک ایک کر کے گنواتا ہے۔ جنہیں U.N.O کے نمائشی چارٹر کا حصہ بنا کر یورپ کا عیار طبقہ داد تحسین وصول کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ جان کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے ''کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو (۱۷۔۳۳)

عزت کے تحفظ کا اصول دیتا ہے تو کہتا ہے ''کوئی کسی کا مذاق نہ اڑائے'' (۴۹۔۱۱)

انسانی مال کے تحفظ کے بارے میں ارشاد ہے ''ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ'' (۱۸۸:۲) ظلم و جور کے ماحول کے خلاف اٹھنے والی آواز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے۔ ''اللہ کو مظلوم کے علاوہ کسی کی بلند آواز پسند نہیں'' (۱۴۸:۴)

صالح اور انسانیت دوست اجتماعیت قائم کرنے کا حکم دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے

''تم میں سے ایک جماعت ہر وقت خیر کی طرف بلاتی رہے (۱۰۴:۳)

نجی زندگی کے تحفظ پر توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے

''کوئی کسی دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو'' (۲۷:۲۴) اور یہ کہ ''کوئی کسی کے ذاتی معاملات تک رسائی کی کوشش نہ کرے'' (۱۲:۴۹)

مذہبی آزادی کا حق دیتے ہوئے کہتا ہے۔

دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں'' (۲۵۶.۲)

فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''اور تم لوگ برا نہ کہو انکو جنکی اللہ کے سوا یہ لوگ پرستش کرتے ہیں پس وہ بے سمجھی میں بے ادبی سے اللہ کو برا کہنے لگیں گے'' (۱۰۹:۶)

ضرورت مندوں کی کفالت کے انتظام کیلئے ہدایت دیتا ہے۔

''مسلمانوں کے مالوں میں مانگنے اور نہ مانگنے والے ضرورت مندوں کا حق ہے (۱۹:۵۱)

اور انسانی تقسیم کے فرعونی نظریہ کو نفرت کی نگاہ سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''فرعون نے ملک میں سرکشی کی اور وہاں کے لوگوں کو فرقوں میں بانٹا بعضوں کو کمزور کیا اور دوسروں کو ان پر مسلط کیا'' (۴:۲۸)

یہ تمام آیات بنیادی انسانی حقوق ہی کی علمبردار ہیں اور اتنا تعارف قرآنی انسانی حقوق کے نظریہ کے مطالعہ کا نقطہ آغاز ہے۔ مکمل تعارف نہیں۔ محقق اور صداقت کے جویا کیلئے

قرآن میں اس موضوع پر بہت سا مواد ہے۔

قرآن جن انسانی حقوق کو قائم کرنے کی طرف توجہ دلا رہا ہے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ بھی ہمیں اسی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ پہلی وحی کی آمد کے بعد حضورﷺ گھر تشریف لائے تو مونس وغمخوار بیوی نے سرکار دو عالمؐ کو فکرمند دیکھ کر عرض کیا۔ آقا آپ کو کبھی کو اتنا فکرمند نہیں دیکھا۔ کس بات کی پریشانی ہے؟ تو جواباً حضورؐ نے فرمایا! مجھ پر جو (نبوت کی) ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس کی تعمیل کا فکر دامن گیر ہے، تو حضرت خدیجہؓ اس موقع پر ایسے جملے ارشاد فرماتی ہیں۔ جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ فرماتی ہیں ''کہ آپؐ صلہ رحم، مہمان نواز، غریب پرور اور انسانیت دوست ہیں آپؐ جیسے انسان کو اللہ تعالیٰ تنہا نہ چھوڑے گا''

حقیقت میں یہ الفاظ حضورؐ کی دینی سماجی زندگی کا پورا نقشہ ہیں۔ غور کیا جائے تو حضورؐ کا طرز عمل انسانی حقوق کی ادائیگی کیلئے دوست دشمن سب کیلئے ایک جیسا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر کفار مکہ کی طرف سے ابوسفیان حضورؐ کے پاس آئے اور قحط سالی کا تذکرہ کرنے کے بعد درخواست کی کہ شاہ حبشہ کو شفارش کریں کہ ہمیں اناج دیں آپؐ نے سفارش کردی اور شاہ حبشہ نے مکہ والوں کیلئے غلہ بھیج دیا۔ یہی شاہ حبشہ ہیں۔ جنکے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ مکہ میں اٹھنے والی حق کی پکار اسلام کا تعارف یوں کراتے ہیں۔ کہ ہم تو انسانیت دشمن، حقوق تلف کرنے والے لٹیرے انسانی عزت کو پامال کرنے والے، انسانی مال کے غاصب اور انسانی خون کو ارزاں سمجھنے والے لوگ تھے۔ ہمیں اس نبیؐ نے آکر جینے کا سلیقہ سکھا دیا۔ ہمیں انسانیت کے حقوق یاد دلائے۔ اسی طرح ایک موقع پر مکہ مکرمہ میں ایک بے بس اور مجبور انسان کہ جس کا مال ابوجہل نے غصب کر رکھا تھا۔ حضورؐ کے پاس فریاد لے کر آیا تو آپؐ اس کے ساتھ مل کر ابوجہل کے گھر گئے اور اسے اسکا حق ادا کرنے کو کہا اور تنبیہ کی کہ اگر اس مظلوم کا حق نہ دو گے تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔

ایک موقع پر حضورﷺ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے آج بھی حلف الفضول جیسے معاہدہ کی

طرف بلایا گیا تو میں اسکی طرف دوڑ کر آؤں گا یہ عربوں کا وہ معاہدہ ہے جو اجنبیوں کے حقوق کے تحفظ اور تصادم کے سد باب کیلئے کیا گیا۔

مکی دور کے بعد مدینہ پہنچنے کے بعد ہمیں حضور کی زندگی کے دو اہم اقدامات ملتے ہیں۔ایک مواخات مدینہ اور دوسرا میثاق مدینہ

درحقیقت یہ دونوں اقدامات ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ پہلے عمل میں مسلم کمیونٹی کے انسانی بنیادی حقوق کا تحفظ فراہم کیا گیا۔ جبکہ دوسرے معاہدہ میں بلا امتیاز مذہب وملت پوری مدنی سوسائٹی کے انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ میثاق مدینہ کی تقریباً ۵۵شقوں میں یہود و مسلمانوں کے مذہبی، انسانی، مالی، جانی اور عزت کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت ملتی ہے۔ گویا حضور کو اپنی دعوت حق اور قرآن کے عملی غلبہ کا جب موقع ملتا ہے۔تو آپؐ سب سے پہلے انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔ دشمن بھی جانتا ہے۔ کہ جنگوں کے دوران انسانی جان واعضاء کا احترام جتنا مسلمانوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ اتنا کہیں اور نہیں گویا حالتِ امن، ہو یا حالت جنگ، ہر حال میں اسلام انسانی شرف کے احترام کا قائل ہے۔

تمام رکاوٹوں کو سر کرتا ہوا آخری پیغمبرؐ اپنے دشمن کو فتح کرتا ہے اور وطن مالوف مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتا ہے۔ تو نبیؐ کی پیشانی مبارک عجز وانکساری کی وجہ سے اونٹنی کی کوہان سے ٹکرا رہی تھی اور اعلان عام کرادیا گیا تھا کہ بوڑھے، عورت، کمزور اور مقابلہ نہ کرنے والے کو کچھ نہ کہا جائے لیکن انسانیت دشمن سات سرمایہ پرستوں کو قتل کردیا جائے۔ بعد میں ان میں سے ایک شخص کو اس لئے معاف کردیا گیا۔ کہ وہ صلہ رحمی کرتا تھا،

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام اور اپنی تیئس سالہ نبوت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے نبی رحمتؐ یوں گویا ہوتے ہیں۔

اے اللہ کے بندو! عزتوں، عصمتوں کا احترام کرنا سیکھ

مخلوق پر رحم کرو، غلاموں، بچوں، عورتوں پر ظلم نہ کرو، دوسروں کا
مال و خون مباح نہ سمجھو اور انسانی حقوق کی نگہبانی
کو اپنا مقصد حیات بنالو!

حجۃ الوداع کے یہ الفاظ انسانی بنیادی حقوق کیلئے تا قیامت ایک قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآنی آیات اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اس جھوٹ کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ جو تلبیس حق بالباطل کرتے ہوئے اسلام کے خوبصورت چہرہ پر ڈال دیا گیا ہے۔ اس حوالہ سے دشمن کی دشمنی نے جو کام کیا اس کا تو کیا تذکرہ؟ مگر دور نے چہرے والوں نے اپنا بن کر پاکستان میں دین کا جو حلیہ بگاڑا ہے۔ اس کو دیکھ کر کون اسلام کو مانے، یہاں ہر روز گرتی ہوئی لاشیں، مزدوروں، کسانوں، کے خون پسینہ، کی کمائی پر سرمایہ پرستوں، اور وڈیروں کا قبضہ، عدالتوں میں ہونے والے ظلم، مجرم پیدا کرنے والی جیلیں، دفاتر اور اقتدار کے ایوانوں میں لوٹ مار، قومی دفاع اور تعلیمی پالیسی کی فروختگی، مساجد اور عبادت خانوں کی صفوں کا انسانی خون سے لت پت ہونا، سماجی اور معاشی طبقاتی تقسیم، سیاسی انارکی اور مذہبی تشتت وافتراق کو دیکھ کر کون اسلام کے انسانی حقوق مانے گا، جبکہ یہ نا قابل انکار تاریخ ہے کہ اسلام نے جب اپنے نظام عدل کا عملی مظاہرہ کیا تو دنیا انسانی حقوق کی ادائیگی کی خوشبو سے معطر ہوگئی۔ اور ہر طرف خوشحالی اور امن قائم ہو گیا۔

اسلام کو انسانی حقوق کے تحفظ کے نظریہ سے محروم تصور کرنے والوں کو خلیفہ وقت عمر فاروقؓ کا، ں کے حالات کی خبر گیری کیلئے چکر لگانا ذہن میں رکھنا چاہیئے۔ اور انکا یہ قول

ات کے کنارے اگر ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو قیامت کے روز عمر ہوگا۔ انہیں بنو امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے اس چیلنج پر بھی ئی بیمار ایسا نہیں جسکی تیمارداری کرنے والا کوئی نہ ہو، کوئی نابینا

ایسا نہیں جس کی انگلی پکڑ کر چلانے والے کا انتظام نہ کر دیا گیا ہو۔ کوئی بوڑھا ایسا نہیں۔ جسکے خدمت گار کا انتظام نہ ہو چکا ہو۔

تاریخ اسلام اپنے اوراق میں یہ سنہری واقعہ بھی محفوظ کئے ہوئے ہے کہ شام کے علاقہ سے مسلمان فوجیں اپنی سیاسی یا جنگی مصلحت کی بناء پر واپس لوٹتی ہیں تو وصول شدہ ٹیکس جب عیسائیوں کو لوٹاتی ہیں تو وہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ خدارا یہ علاقہ چھوڑ کر نہ جاؤ۔ مسلمان کہتے ہیں کہ ہم تو فاتح ہیں۔ اور دوسرا مذہب رکھتے ہیں پھر یہ کیا ماجرا ہے؟

تو شامی عیسائی کہتے ہیں۔ یہ بجا کہ آپ دوسرے مذہب سے تعلق رکھتے ہو اور فاتح ہو مگر انسانیت کا وہ پروگرام جو تمہارے پاس ہے ہماری سیاسی اور مذہبی قیادت اس سے نابلد ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہمارے نوجوان کو یقین کر لینا چاہیئے کہ اسلام ہی حقیقت میں انسانی بنیادی حقوق کا سچا محافظ ہے۔ اور اس مسلمانوں کا گیارہ صد سالہ مختلف علاقوں میں اجتماعی عدل کے نظام کا دور شاہد عدل ہے۔

اس سب کچھ کے باوجود گمراہ سیاسی لیڈروں بے شعور اور دین فروش مذہبی راہنماؤں اور ان منافق حکمرانوں پر افسوس ہے جنہوں نے اسلام کے نام پر قوم کو دھوکا دیا۔ بقول شاعر

شہر میں وہ معتبر میری گواہی سے ہوا
پھر مجھے شہر میں نامعتبر اس نے کیا
شہر کو برباد کر کے رکھ دیا اس نے منیر
شہر پر ظلم میرے نام پر اس نے کیا

مگر یہ سب عارضی دور ہے اقوام کی زندگی میں اس قسم کے نشیب و فراز آتے رہتے ہیں وہ دن دور نہیں ہمارے ملک کے مزدور کو یکم مئی، منا کر اپنا گریباں چاک کر کے اور سراپا احتجاج بنکر دنیا کو اپنی طرف توجہ دلانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اور نہ ہی جھوٹی مال پرست، ایجنٹ، فلاحی تنظیموں سے بھیک مانگنی پڑے گی۔ بلکہ ہمارا مزدور اور کسان قرآنی فکر کی روشنی میں اب وہ دور لائے

گا کہ دنیا اس کی تقلید پر مجبور ہو جائیگی ۔ پھر بڑھاپا رسوانہ ہوگا۔ پھر ماؤں ، بیٹیوں اور بہنوں کی عزت کا سوال UNO کی جھوٹی قیادت سے نہ کیا جائے گا۔ پھر معصوم بچے درکشاپوں اور گندی گلیوں سے خود ہی نکل کر تعلیم گاہوں میں پہنچیں گے۔

عجب نہیں کہ پھر امام اعظمؒ امام شافعیؒ مام مالکؒ امام بخاریؒ ایسے جید علماء پیدا ہوں جنہوں نے زندگی کی متاع عزیز صرف کر کے قرآن وسنت اور تعامل صحابہ پر غور کر کے ایسے شرعی قوانین مرتب کیے کہ جن کی روشنی میں انسانوں کی دنیوی اور آخروی کامیابی کی راہیں کھلیں، نہ صرف یہ بلکہ عدل وانصاف کے قیام کیلئے جان ومال قربان کیا اور ایسے شاگرد پیدا کئے جو نظام عدل کے قیام کیلئے مرکزی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔اس ضمن میں قاضی ابو یوسف کی مثال دی جاسکتی ہے۔اور پھر سائنسی اور فنی میدان میں

جابر بن حیان (۷۲۱ء تا ۸۰۳ء)
محمد بن زکریا الرازی (۸۶۴ء سے ۹۳۵ء)
ابن الہیثم (۱۰۳۹ء سے ۹۶۵ء)

وغیرہ جیسے لوگ پیدا ہونگے جنکے ذہنوں کو اسلام کے عادلانہ دور میں جلاء ملی۔تب انہوں نے لیبارٹریوں میں اپنی زندگیاں خرچ کر کے انسانی سہولیات آسائش وآرام اور ترقیات کی راہ وا کی۔آج یورپ جس کیمسٹری اور فزکس کے بل بوتے پر دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔اس کی بنیاد مسلم سائنسدانوں ہی کی رکھی ہوئی ہے۔

لیکن یہ کام چشم زدن یا فکر وعمل سے عاری رویہ سے انجام پذیر نہ ہوگا۔ بلکہ دین اسلام کے گہرے مطالعہ، سماجی مسائل کے حل کیلئے قرآن وسنت اور تاریخ اسلام کے معروضی مطالعہ کی روشنی میں دین سے شعوری وابستگی قائم کرنے اور منظم کردار ادا کرنے کے نتیجہ میں ممکن ہو سکے گا۔ آیئے شعوری اور تنظیمی صلاحیت سے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کریں۔

ناصر عبدالعزیز

عبادات کا مفہوم اور اس کا مقصد

عبادت کا مفہوم

امام شاہ ولی اللہؒ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ عبادت درحقیقت بندے کی اپنے مالک کے ساتھ نسبت کی درستگی کا نام ہے۔(۱)

نیز فرماتے ہیں کہ اپنے تمام اعضاء وقوی ظاہرہ اور باطنہ کو اللہ تعالی کے راستے میں اسکی مرضیات پر لگادینے کا نام عبادت ہے۔(۲)۔

حضرت امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کو کتاب الٰہی تسلیم کرنا اور اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ کر بغیر کسی تاویل کے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کا نام عبادت ہے(۳)

عبادات کا مقصد (اخلاق اربعہ کا پیدا کرنا ہے۔)

امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا خواجہ عبدالحی فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر اعمال (عبادات) پر نہیں بلکہ ان حقائق وجذبات پر ہوتی ہے۔ جو ان اعمال سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً نماز کے بارے میں فرمایا۔

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر ط

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

اور روزے کی نسبت فرمایا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون o

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بنو۔

قربانی کے متعلق فرمایا۔

لن ینال اللہ لحومھا و لا دماء ھا و لکن ینالہ التقویٰ منکمo

خدا تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اس تک تمہاری پرہیز گاری پہنچتی ہے۔

غرض ان تمام تصریحات سے یہ ہے کہ شریعت کے پیش نظر اخلاق ہیں نہ اعمال، مگر یہ اخلاق اسوقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک اعمال نہ ہوں۔ اس لئے شریعت ہر شخص کیلئے چند اعمال کی پابندی لازم کر دیتی ہے اور اس پابندی میں اعلیٰ ترین و ادنی ترین انسان برابر ہوتے ہیں۔ قانون ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتا، البتہ نتائج کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہوگا(۵)۔

چنانچہ امام شاہ ولی اللہ، محدث دہلویؒ قرآنی عبادت و اعمال کا مقصد یہ چار بنیادی اخلاق قرار دیتے ہیں۔

(۱) طہارت: ہر انسان فطری طور پر پاک وصاف رہنا چاہتا ہے۔ یہ اسکی فطرت ہے اور طبیعت کا ایسا تقاضا ہے کہ جسے ہر انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ اسلئے اپنے فطری تقاضے کے تحت ہر انسان کا روحانی اور جسمانی طور پر ہر قسم کی فکری اور عملی گندگی سے پاک ہونا لازمی ہے۔

(۲)۔ اخبات: ہر انسان طبعی طور پر کسی نہ کسی طاقت اور قوت کے سامنے اپنے عجز کا اظہار ضرور کرتا ہے، حتیٰ کہ غیر مذہبی آدمی بھی اپنی مادی زندگی میں کسی نہ کسی چیز کے سامنے عاجز آ جاتا ہے اور اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہی حقیقت ہے تو محدود اور سطحی چیزوں کے سامنے جھکنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے سامنے اپنی عاجزی اور خشوع کا اظہار کیا جائے۔

کیونکہ وہی ذات ہمارے وجود سمیت اس پوری کائنات کی خالق اور پالنے والی ہے۔

(۳) سماجت ہر انسان طبعی طور پر معاشرہ میں ایک باوقار زندگی بسر کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں اور احترام سے پیش آئیں اس لئے ہر انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی ایسے سلیقہ سے گزارے کہ اس میں سخاوت، صبر وشکر، عفت وعصمت وغیرہ اخلاق حسنہ بخوبی محسوس کیے جاسکتے ہوں۔ پھر اس میں آسائش پسندی کی بجائے ''جدوجہد'' اور درست طریقوں سے آگے بڑھنے کا مثبت جذبہ بھی موجود ہو۔ انتقامی جذبات اور حرص وبخل وغیرہ کو ترک کردے۔

(۴) عدالت ہر انسان طبعی طور پر اپنے ساتھ ظلم کو برداشت نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہے کہ اس کے حقوق بغیر کسی استحصال کے اسے ملنے چاہئیں۔ اب پورے سماج میں مجموعی طور پر ہر ایک کو اسکا حق یکساں طور پر ملنا ضروری ہوا۔ اسکا لازمی نتیجہ ہے کہ ہر انسان میں عدل کا مزاج ایسے طریقے سے راسخ ہوجائے کہ وہ خاندانی زندگی سے لے کر ملکی وملی زندگی تک میں عدل کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرے تاکہ پورے معاشرے کے لوگ عدل وانصاف کے ساتھ اپنے حقوق حاصل کریں اور پورا معاشرہ سیاسی، معاشی حوالے سے ترقی کرے، چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

''سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں یہی عدالت کا وصف ہے'' (۵)

نماز کی حقیقت اور اور اس کے معاشرتی اثرات

نماز اور جامعیت

انسان چونکہ اپنے وجود وبقاء میں اپنے خالق کا محتاج ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق کے سامنے انتہائی عاجزی اور خشوع کا اظہار کرے اور اس انتہائی عاجزی کی تمام صورتیں نماز میں جمع کردی گئی ہیں۔ یعنی قیام، رکوع، سجدہ اور دعاء وغیرہ اور تمام عبادات میں حقیقی

عبادت یہی نماز ہے، جیسے انسان ایک جامع حقیقت ہے اسی طرح اس کی عبادت بھی جامع ہے۔ چنانچہ اہل حکمت و دانش کہتے ہیں کہ نماز محض انسان پر نہیں بلکہ کائنات کے ذرے ذرے پر فرض ہے۔ درخت حالت قیام میں نماز ادا کر رہے ہیں چوپائے حالت رکوع میں ہیں پہاڑ حالت تشہد میں ہیں ۔ حشرات الارض سجدہ میں اوندھے پڑے ہیں۔ چاند، سورج اور زمین گردش سے محو عبادت میں جنت و جہنم دعا میں مصروف ہیں، کہ اللہ ہمیں بھر دیجئے'' اور فرشتے صف بندی کی صورت میں نماز ادا کر رہے ہیں جب کہ انسان کی نماز میں یہ سب عبادتیں جمع ہیں مزید برآں اسلام میں تمام ملتوں کی نمازیں جمع ہیں، کہ گذشتہ امتوں میں کسی کو محض رکوع کی نماز کا حکم تھا تو کسی کو محض سجدہ یا محض قیام کی ہدایت تھی۔(۶-۷)

انسان کے قلب میں جو خدا شناسی کی قوت مضمر ہے اسے نماز ترقی دیتی ہے۔ تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اسی آئینہ میں خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے انسان کبیر ''امام نوع انسانی جو عالم مثال میں نمائندہ نوع انسانی ہے'' کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے۔ یہاں تک ترقی کر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کے تقاضوں کو خدا کا حکم سمجھنے لگتا ہے۔ اور اپنے آپ کو خدا کا یعنی مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے جسے کسی دوسرے بندے کے حقوق سلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس وہ ہر وقت خدمتِ انسانیت کیلئے تیار رہتا ہے اور اسے خدا کی عبادت کا جزو جانتا ہے (۸۔۹)

نماز اور جمعیت

نماز درحقیقت اصلاح نفس کیلئے مجاہدہ کا نام ہے کیونکہ جب صاحب ایمان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حرکات وسکنات سے انتہائی عاجزی اور خشوع کا اظہار کرتا ہے تو اس کی طبیعت میں تواضع وانکساری کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے کئی اخلاقی مفاسد کا انسداد ہو جاتا ہے جبکہ

اس کے برعکس تکبر اور اپنی بڑائی جتانے یا اپنے تئیں اپنے آپ کو بالاتر رویہ کے سمجھنے سے معاشرے میں بدامنی کو راہ ملتی ہے۔ اسی کے نتیجہ میں بیہودہ گوئی، ریاکاری، غیبت، حسد، فریب دہی اور خونریزی جیسے جرائم فروغ پاتے ہیں حب جاہ کے نتیجہ میں پنپنے والے ان عیوب کو منکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تکبر اور دوسروں کو کمتر سمجھنے کے رویہ سے حرص و ہوس کو راہ ملتی ہے اور اسی کے نتیجہ میں لوٹ مار رشوت لالچ، بدکاری، اور سرمایہ پرستی جیسے جرائم پنپنے لگتے ہیں جن کو فحش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور نماز کی خاصیت منکر اور فحش سے روکنا ہے۔

الغرض نماز کے عمل میں انسانی نفس کی اصلاح کا تیر بہدف نسخہ موجود ہے لیکن ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اس عبادت کو اپنی ریاکاری کے ذریعے نفسانی خواہشات کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگ ویل (تباہی و بربادی) کے لائق ہیں۔ درحقیقت ایسے افراد کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی جگہ اپنے نفس کی بڑائی نے جڑیں قائم کی ہوئی ہوتی ہیں۔

نماز کی حقیقت سے ہے کہ اس کے ہر ہر کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت، اسکے مرتبے کی بلندی، اسکی حمد و ثناء، اسکی تقدیس و تمجید اور اسکی ہمہ قسم کی بزرگیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ان امور کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا جائے تو یقیناً عظمتِ خداوندی دل کے رگ و ریشہ میں پیوست ہوگی اور اس کے نتیجہ میں نفس کی بے وقعتی پیدا ہوگی جس سے حق کے آگے جھکنے (تواضع) کی صفت کو جلا ملے گی۔ اور یوں قناعت، سرچشمی، انسانی جان و مال کے تحفظ، انسانی آبرو کی حفاظت، امور دانش مندی و شعور کے رویوں کی آبیاری ہوگی۔

نماز اور اجتماعیت

نماز اصلاح نفس کے علاوہ اجتماعیت کے قیام کا بھی ذریعہ ہے وہ مسجد کے فرش پر اجتماعیت کی تعلیم دیکر تمام روئے زمین پر جوامت کیلئے مسجد عمومی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اجتماعیت کی

جانب سے متوجہ کر دیتی ہے۔ اور یوں نماز کی خلافت صغریٰ سے خلافت کبریٰ کا دروازہ کھل جاتا ہے اگر نماز میں یہ اجتماعی شان نہ ہوتی اور وہ عبادت خداوندی میں مصروف کر کے انسان کو انسانی حقوق کے قیام سے لاتعلق کر دیتی تو شاید وہ اسلامی عبادت ہی نہ کہلاتی۔ کیونکہ اس کا نتیجہ وہی رہبانیت اور مردم بے زاری نکلتا ہے جسے ختم کرنے اور اس کی جگہ عبادت ہدایت تک میں اجتماعیت پیدا کرنے کیلئے اسلام دنیا میں آیا تھا۔ سب سے پہلے انسان کو خانگی خلوت سے نکال کر اسے مساجد تک سفر کرایا گیا۔ تا کہ وسعت ظرف اور وسعت نظر پیدا ہو چنانچہ ہفتہ پھر محلّہ کی مسجد میں ایک روز شہر کی جامع مسجد، سال بھر میں دو مرتبہ شہر کے باہر نکل کر عید گاہ اور عمر بھر میں ایک مرتبہ گھر، محلّہ، شہر، ملک، حتیٰ کہ بسا اوقات براعظم چھوڑ کر مسجد حرام تک جانے کا تدریجی عمل اختیار کیا گیا۔ پھر مسجد تک ہی پہنچانے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ نماز باجماعت کی جانب پیش قدمی کی گئی اور اس کو سنت ہدایت قرار دیا گیا جبکہ اسے ترک کرنے کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا۔ اسی جماعت میں ایک امام کی اقتداء میں جمع کر کے ان میں مرکزیت پیدا کر دی گئی۔ پھر صفوں کی یکسانیت کے ذریعے مساوات پیدا کر دی گئی۔ اس کے علاوہ اس میں شیطانی مکروفریب کے خلاف جہاد کا عمل موجود ہے۔ اور اگر اس سے نمازی کی طبیعت جہاد (قتال و جنگ) کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ اس کی ترتیب و تشکیل پر غور کرنے لگے تو قطعاً کوئی نامناسب امر نہیں۔ کیونکہ نماز اور جہاد میں مکمل کے عمل میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ جنگ سے متعلقہ ضروری امور نماز میں سوچ لیتا ہوں۔

الغرض نماز ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے ملاتی ہے تو دوسری طرف انسانوں سے رابطہ قائم کراتی ہے۔ ایک یکسوئی سکھاتی ہے تو دوسری طرف اجتماعیت کی جانب راہنمائی کرتی ہے۔ ایک طرف سلامتی کی تعلیم دیتی ہے تو دوسری طرف جنگ کی تربیت دیتی ہے۔ ایک طرف اصلاحِ نفس کرتی ہے تو دوسری طرف اجتماعی نظام کا پابند اور نظم و ضبط قائم کراتی ہے (۱۰)

روزہ کی حقیقت اور اس کے معاشرتی اثرات

اس فریضہ کی ادائیگی سے انسان کے اندر موجود صفت ملکیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس امر کیلئے زیادہ بہتر انداز میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ کہ اس کی حیوانی اور بہیمی صلاحیتیں سماجی اصلاح میں سرگرم عمل ہوں، حیوانی اور بہیمی صلاحیتیں اگر ملکی صلاحیتوں پر غالب آ جائیں تو معاشرے میں فساد کے جراثیم پنپنے لگتے ہیں۔

نماز، روزے جیسے اعمال کی ادائیگی سے انسان میں موجود صفت ملکیت مضبوط ہوتی ہے اور ملکیت کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے اور تجلی الٰہی سے تعلق ہر انسان کی ذاتی اور نوعی ضرورت ہے لہذا جس معاشرے میں اس ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو وہ اپنے افراد کی ترقی کا ضامن نہیں ہو سکتا ہے۔

الغرض جب تجلی الٰہی انسانی ذہن میں جم جائے گی تو ہر دم اس کی یاد رہے گی اور زبان سے بھی اسکا ذکر ہوگا جو درحقیقت اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا اور یہی ذکر اسے مخلوق خدا سے ہمدردی، دوستی اور ان کے حقوق کی جدوجہد کیلئے مہمیز کا کام دے گا۔

روزہ کی فرضیت کا بنیادی مرکز ''تقویٰ'' جو ایک مخصوص نورانی کیفیت اور صحیح وجدان کا نام ہے جس کے ذریعے انسان ظلم کو ہر صورت میں پہچان لیتا ہے۔ اور خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے تحت اس میں ملوث ہونے سے پرہیز کرتا ہے، یہ کیفیت اور وجدان ان امور سے اجتناب اور بچاؤ کرتے رہنے سے راسخ ہوتا ہے جو از روئے شرع انسان کیلئے تباہ کن یا نقصان دہ ہیں۔ (۱۲)

اسی تقوی کی تفسیر قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی کی گئی کہ اللہ تعالیٰ عدل قائم کرنے، احسانی حالت (جوابدہی کا احساس) پیدا کرنے اور قریبی لوگوں کو ان کی ضروریات مہیا کرنے کا

حکم دیتا ہے اور فحش (ہوس وحرص سے متعلقہ جرائم) منکر (جاہ پرستی سے پیدا شدہ جرائم) اور یعنی اجتماعی جرائم) سے منع کرتا ہے۔ (۱۳)

روزے سے حاصل شدہ تقویٰ کے نتیجہ میں روزہ دار کے اندر ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ایک خاص وقت تک کیلئے جسمانی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی اور خواہشات نفس کی یہی قربانی اس کیلئے عمل جہاد میں معاون ثابت ہوتی ہے۔اس طرح اسکو حاصل شدہ نعمتوں کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے جس سے شکر اور قدر دانی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں کیونکہ دن بھر نعمتوں سے دور رہ کر اسے ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔علاوہ ازیں روزہ کے عمل سے انسانی ہمدردی کے جذبات کو تقویت ملتی ہے اور دنیا کے فاقہ زدہ انسانوں کے ساتھ ایک انس پیدا ہوتا ہے جو اسے ان کی مصیبتوں میں شریک ہونے پر ابھارتا ہے اور ان کے دکھ درد کے ازالہ میں عملی اقدام پر آمادہ کرتا ہے، اور کوئی روزہ دار کوئی عملی اقدام کرنے کی استطاعت نہ بھی رکھتا ہو تو بھی ان کے ساتھ عملی یکجہتی کے اظہار کا موقع روزہ ہی فراہم کرتا ہے۔ یوں تیس دن اسلامی معاشرہ، فاقہ زدہ انسانیت کے ساتھ عملی مساوات کا مظاہر کرتا ہے۔نیز روزہ انسان کے اندر مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے صبر وتحمل کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔اور اسے ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرتا ہے، مزید برآں روزے سے اصلاح نفس کا بھی مجاہدہ ہوتا ہے۔جس کے نتیجے میں روزہ دار میں انفرادی عیوب سے محفوظ رہنے کی محنت اور اجتماعی مفاسد کے خلاف جدوجہد کا جذبہ توانا ہوتا ہے، چنانچہ جو روزہ دار حسد، غیبت، بے حیائی، حق تلفی، اور فریب دہی سے اجتناب نہیں کرتا، وہ محض بھوکا پیاسا دن گذارتا ہے اور اسکے اعمالنامہ کی سیاہی میں ہی مزید اضافہ ہوتا ہے۔

ذیل میں حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی وہ خطبہ نبوی پیش ہے جو آپؐ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ارشاد فرمایا۔جس سے رمضان کے فضائل کے علاوہ اس کے انسانیت دوست

مقاصد پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اے لوگو! تم پر عظمت والا مہینہ آ رہا جو بابرکت مہینہ ہے۔ اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے یہ ایسا مہینہ ہے جس کے روزوں کو اللہ تعالی نے فرض اور رات کے قیام (نماز تراویح) کو نیکی کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ جو شخص اس میں کسی نیکی کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرے، وہ ایسا ہی ہے۔ جسے کوئی رمضان کے علاوہ فرض ادا کرے اور جو شخص اس ماہ میں فرض ادا کرے وہ ایسا ہے جیسے کوئی رمضان کے علاوہ ستر فرائض ادا کرے یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کا ہے۔ اسی ماہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزے دار کا روزہ افطار کرائے، اسکے لئے گناہوں کی معافی اور آگ سے نجات کا سبب ہوگا اور روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی کیے بغیر اسکو روزہ دار کے اجر جیسا ثواب ملے گا۔ (۱۱)۔

حج اور اس کے معاشرتی اثرات

یہ ایسی عبادت ہے کہ اس میں انسان کو جسمانی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور مالی اخراجات سے بھی عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے یعنی بدنی و مالی عبادات کا مجموعہ ہے نہ صرف یہ بلکہ اس میں انسان کو اپنے جذبات پر بھی قابو رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ جس پر حج لازم ہو جائے تو وہ نہ تو بیہودہ گوئی کرے گا، نہ فسق و نافرمانی کا ارتکاب کرے گا اور نہ ہی جھگڑے گا۔ (۱۴)

اس عبادت کو عبادتِ عشق بھی کہا گیا ہے کہ انسان اپنے جسمانی زیبائش و رلباس کی آرائش سے مستغنی ہو کر کہیں طواف کر رہا ہے (گھوم رہا ہے) کہیں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی پر اور پھر واپسی کا سفر کر رہا ہے۔ کہیں وہ کھلے میدان میں پڑا ہے، کہیں وہ بال منڈوا رہا

ہے۔ کہیں قربانی پیش کر رہا ہے اور کہیں دشمنان محبوب کو سنگسار کر رہا ہے، پھر اس عبادت کے ذریعہ مسلمانوں میں تن پروری اور عیش پسندی کی جگہ جفاکش اور محنت کے جذبات کی آبیاری کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ یکساں لباس پہنا کر تمام طبقاتی امتیازات بالائے طاق رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے اور ایک بین الاقوامی انسانی معاشرہ کی جھلک دکھا دی جاتی ہے۔ یوں حج عبادت کے ساتھ انسانی اجتماعیت کا نقیب بن جاتا ہے۔(۱۵)

زکوٰۃ کی حقیقت اور اس کے معاشرتی اثرات

زکوۃ کی عبادت اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ دنیا میں تمام موجود اشیاء کی حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جس نے ان کو تخلیق کیا ہے جبکہ اس کے خلیفہ کے طور پر اولادِ آدم کا ان میں عمل دخل ہے، یوں دنیاوی نقطہ نظر سے وہ ان اشیاء کے مالک تصور کیے جاتے ہیں کیونکہ ان اشیاء کی تخلیق سے مقصود انکی ضروریات کی ہی تکمیل ہے۔ اس لئے کوئی چیز بذاتِ خود کسی فرد واحد یا کسی گروہ کی مخصوص ملکیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز تمام انسانیت میں مشترک اور سب کی اس میں ایک لحاظ سے ملکیت ہے تاہم کسی چیز پر مستقل اور مکمل قبضہ ہے تو دوسرے شخص کو اس میں دست دارزی کی اجازت نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مال و دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہوتی رہے کیونکہ اسلام اس امر قطعاً گوارہ نہیں کرتا کہ مال و دولت معاشرے میں گردش کرنے کی بجائے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور معاشرہ مفلوک الحال ہو جائے اسی کو سرمایہ داری کہتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے حرام اور باطل ہے اور سماجی نقطہ نظر سے تباہ کیے جانے کے قابل ہے۔

اس ضمن میں قرآن حکیم کی واضح تنبیہ ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں نہیں خرچ کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جس دن اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا

جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ ہے جسکو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ بس اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔ (۱۸)

اسی سرمایہ داری کے انسداد کیلئے اسلام نے قانون انفاق مقرر کیا ہے جس کا ایک درجہ مکہ مکرمہ میں تھا جسکو قرآن حکیم کی اصطلاح میں ''عفو'' سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ضرورت سے زائد مال خرچ کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں تھے اور وہاں ایک اجتماعی حکومت (بصورت جماعت) قائم تھی تو اس حکومت نے مسلمانوں کو انفاق کے معاملے میں خود انکی صوابدید پر چھوڑ کر اپنا نائب بنالیا تھا۔ چنانچہ معاشرے کی مالی ضرورت کے مطابق انہیں حکم تھا کہ وہ ضرورت سے زائد مال اہل ضرورت میں خرچ کر دیں، کیونکہ اس وقت نہ تو بیت المال کی کوئی صورت تھی اور نہ ہی مال غنیمت جیسے دیگر ذرائع آمدن تھے۔ ہجرت کے بعد صورت حال تبدیل ہوگئی اور مکہ مکرمہ کی نسبت خوشحالی آ گئی اور مال غنیمت آنے لگا تو پھر زکوٰۃ میں از روئے حدیث اڑھائی فیصد حصے کا تعین ہوا۔

تو گویا زکوٰۃ ایک خاص قانون کے تحت راہ خدا میں خرچ کرنے کا نام ہے جس سے معاشرے کی بہتری اور سماجی مقاصد وابستہ ہیں۔

قانون زکوٰۃ ایک ایسا لازمی قانون ہے جس پر معاشرے کی اجتماعی خوشحالی کے باوجود عملدرآمد ضروری ہے۔ تاکہ ہمہ وقت یہ احساس زندہ رہے کہ انسان کے پاس موجود ملکیت امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس میں وہ فطری اصولوں اور شرعی قواعد کا پابند اور پھر یہ کہ اگر معاشرہ پر افتاد آن پڑے تو زکوٰۃ پر عمل کرنے کے سبب وہاں خرچ کرنے میں کوئی دلی تنگی نہیں ہوگی۔ اس طرح انسان کے اندر بخل، لالچ اور سرمایہ پرستی کے امراض کا مستقل عملی علاج مقرر کیا گیا ہے۔

اگر معاشرے میں قانون زکوٰۃ زیر عمل آنے کے باوجود تنگدستی اور بدحالی موجود رہے تو پھر اسی قانون پر اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ انسداد افلاس کیلئے دیگر اجتماعی ضابطے

روبہ عمل لائیں جائیں تا کہ فرضیت زکوٰۃ کے مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ قرابت داروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کی مد کا علیحدہ (۲۰) اور احادیث میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۱)

گو ان کا تعین نہیں کیا گیا تا کہ عصری تقاضوں کے مطابق اجتماعی ضرورتوں کے حوالے سے وقتی قوانین بنائے جاسکیں۔ (۱۶)

عبادات کے غیر مؤثر ہونے کے اسباب اور اسکا ولی اللہی حل

جب تک معاشرہ میں انسانوں کو معاشی آسودگی فراہم کرنے والا نظام نافذ نہیں ہوتا۔ تب تک عبادت کے اصل فلسفے کے نتائج نہیں آسکتے۔ اگر نظام فاسد ہوگا تو پہلی بات یہ کہ عبادت کی طرف دل مائل ہی نہیں ہوگا اور عادتاً یا رسماً عبادت میں مشغول ہو بھی گئے تو اس دوران جو توجہ پوری طرح خالق کی طرف مبذول ہونی چاہیئے نہیں ہوگی نظام فاسد ہے تو نماز کے دوران بھی پیٹ کی فکر ہوگی دولت کی فراوانی ہوگی تو عبادت میں ہر وقت اس کے چھن جانے کا وہم اور خدشہ رہے گا۔ اگر مفلسی یا افلاس ہوگا تو عبادت میں ایک وقت کی روٹی کا فکر دامن گیر رہے گا۔

غرض اس ساری کیفیت کا ذمہ دار نظام ظلم اور دولت کی غیر مساوی تقسیم ہی ہے۔

ایک مزدور تو پہلے ہی دن میں بارہ گھنٹے کام کرتا ہے۔ اور 60 روپے زیادہ ملنے کی پیش کش پر چار گھنٹے مزید اور ٹائم لگانے پر بھی تیار ہو جاتا ہے۔ اس 16 گھنٹے کام کرنے کے بعد اس سے توقع رکھی جائے کہ وہ عشاء کی نماز بھی پڑھ کر سوئے یہ ناممکن تو نہیں ہے لیکن مشکل ضرور ہے۔ کیونکہ دن میں سولہ گھنٹے کام کرنے کے بعد انسانی اعصاب آرام تو قبول کریں گے۔ مزید کسی بھی طرح کی کوئی سرگرمی نہیں۔ وہ بھوک کا مارا ہوا شخص اول تو نماز روزہ کی طرف مائل ہی نہیں ہوگا اور

اگر مذہبی یا معاشرتی دباؤ کی وجہ سے مائل ہوا تو بھی اس عبادت میں رشتہ خداوندی استوار کرنے کی اصل روح نہیں ہوگی۔

ایسے شخص سے جس کی زندگی کا معمول ہی دن میں سولہ گھنٹے کام کرنا ہے تاکہ اپنی ذاتی بھوک کا جہنم کسی طرح سرد ہو جائے۔ ایسے شخص سے حقوق اللہ اور حقوق العباد پر پورا اترنے کی توقع کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ ایسے شخص سے تو رشتہ داروں کے حقوق ادا ہو سکیں گے نہ ہمسایوں کے، نہ والدین کے اور نہ اپنی ذات کے کیونکہ ایسی فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ اپنی بھوک مٹانے کے علاوہ کچھ اور بھی سوچ سکے۔ (۲۲)

لہذا عبادت سے کامل نتائج حاصل کرنے کیلئے اور عبادات کی دعوت کو مؤثر بنانے کیلئے ولی اللہی حل یہ ہے کہ پہلے ایک انسانی معاشرہ بنایا جائے پھر اس انسانی معاشرہ سے ایمان اور عبادت کا تقاضا کیا جائے۔

اور جہاں انسانی معاشرہ ہی نہ ہو تو وہاں پہلی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ انسانی معاشرے کے بنیادی تقاضے یعنی معاشی خوشحالی پیدا کی جائے اور معاشرتی طور پر لوگوں کو امن فراہم کیا جائے۔ یہ چیزیں ہو جائیں گی تو پھر آپ اس کو اگلے درجے میں مؤثر انداز میں بات بھی سمجھا سکیں گے اور کامل نتائج بھی حاصل کر سکیں گے۔ ورنہ بھوکوں، ننگوں اور خانہ جنگی کے شکار لوگوں کو نہ عبادت کی بات سمجھ میں آئے گی اور نہ ہی کامل نتائج حاصل ہو سکیں گے۔ (۲۳)

تحریر: محمد عبداللہ علوی (چشتیاں)

حوالہ جات

۱۔	تفسیر عزیزی	جلد نمبر ۱	ص ۱۷
۲۔	تفسیر عزیزی	جلد نمبر ۱	ص ۷
۳۔	قرآنی شعور انقلاب		ص ۸۶
۴۔	تفسیر القرآن فی معارف القرآن		ص ۲۱۰
۵۔	ولی اللّٰہی نظام فکر ہمعات		ص ۳۲۔۳۳۔۲۰۸
۶۔	فلسفہ نماز		ص ۳۸۔۴۴
۷۔	ایمان کی چھاؤں میں		ص ۲۵
۸۔	قرآنی دستور انقلاب		ص ۱۵۸
۹۔	ایمان کی چھاؤں میں		ص ۱۱۴
۱۰۔	ایمان کی چھاؤں میں		ص ۱۱۹۔۱۲۰
۱۱۔	ایمان کی چھاؤں میں		ص ۱۰۸۔۱۰۹
۱۲۔	قرآنی جنگ انقلاب		ص ۵۵
۱۳۔	تفسیر عثمانی		ص ۱۴۰ آیت ۸ سورۃ المائدہ
۱۴۔	القرآن (البقرہ ۱۹۷)		ص
۱۵۔	ایمان کی چھاؤں میں		ص ۲۶
۱۶۔	ایمان کی چھاؤں میں		ص ۱۳۳۔۱۳۴۔۱۳۵
۱۷۔	اسلام کا اقتصادی نظام		ص ۵۹
۱۸۔	القرآن سورۃ التوبہ		ص ۳۴۔۳۵
۱۹۔	سماجی انصاف اور اجتماعیت		ص ۳۰۔۳۱
۲۰۔	القرآن (سورۃ البقرہ)		ص ۱۷۷
۲۱۔	ترمذی شریف	جلد نمبر ۱	ص ۱۴۳
۲۲۔	اصلاح احوال کا آخری حل		ص ۱۱۲۔۱۱۳
۲۳۔	درس قرآن (سورۃ القریش)		

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و قیمت
قرآنی اصول معاشیات
اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل
شعوری تقاضے
جدوجہد اور نوجوان
اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ
ولی اللہی تحریک
امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات
نظام کیا ہے؟
فرد اور اجتماعیت
عبادت و خلافت
حضرت مولانا محمد الیاس کا تصور دین
غلبہ دین اور عبادات
ثناء خداوندی
جدوجہد آزادی کا راہنماء ادارہ
دینی تمدن کی تشکیل نو
استعماری مظالم اور ملی تقاضے

دین اور حکومت
آزادی
ولی اللہی نظام فکر کی عصری اہمیت
دین وحدت
ولی اللہی جماعت کا انقلابی کردار اور ہماری ذمہ داریاں
آزاد قومی پالیسی کا خاکہ
عزیمت (۱)
عزیمت (۲)
مولانا سندھیؒ کا ایک اہم مکتوب
جہاد کیا ہے؟
شاہ عبدالعزیز رائے پوری اور ان کے جانشین
خانقاہ رائے پور
عزیمت (۳)
غلبہ دین اور اس کے اجتماعی تقاضے
تقویٰ کیا ہے؟
دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم

ملنے کا پتہ

(۱) پی او بکس نمبر 363 جی پی او ملتان (۲) عزیز پبلی کیشنز 56 میکلوڈ روڈ لاہور